خطبۂ استقبالیہ

مرحوم محمد امین خان کھوسو کی برسی پر ان کے غم زدہ بھائی
جناب نظام الدین خان کھوسو نے عبیداللٰہی ورکروں کے
سامنے یہ خطبۂ استقبالیہ پڑھا۔

محترم میر صاحب و معزز حاضرین!

تعریف ہے اس ذات بے پرواہ کی جس کے حوالے انسان کا سب کچھ ہے۔ انسان نہیں جانتا کہ اس کے لیے کل کیا ہونے والا ہے۔

گزشتہ سال ۱۲ ر نومبر کو اس سرزمین پہ تحریک خلافت اور جنگ آزادی کے لیے کام آنے والی سرزمین پر، ایک ایسا عظیم انسان موجود تھا جو اپنی دعوت میں شریک ہونے والے حضرات کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ اور آج ایک برس کے بعد، اسی سرزمین پر، اس مردِ عظیم کی برسی منائی جا رہی ہے۔

خدا کی ذات بے پرواہ ہے اس کو کسی کی تنہائیوں اور بےبسیوں کی پرواہ نہیں۔ کیا کہوں! مجھ ضعیف کو کچھ کہنے کی طاقت نہیں۔

حضرات! اس عظیم محسن انسان کا یہ عاجز خادم اپنے آقا و مربی کی یادوں کو سینے میں لیے ہوئے آپ کے سامنے ہے۔ کیا سنائیے؟ سنانے کی طاقت نہیں، کہنے کی

لیاقت نہیں ۔ ؎

دل گور رہا وقف ستم ہائے روزگار روشن ہے داغ عشق بے انجمن ہنوز

یہی سوز عشق ہے جس نے آپ کے سامنے کیا ۔ آپ میرے محسن ہیں ، میرے آقا کے دوست ہیں ۔ مجھ پر احسان کیا کہ یہاں پر تشریف لائے تاکہ یہ عاجز اپنے آقا کے دوستوں کی زیارت کر سکے ۔ میں آپ کا بے حد مشکور ہوں ۔ آپ حضرات نے مجھ اچار کو اپنے آقا و مربی کی روح کے سامنے سُرخ رو کیا اور نمک حرامی سے بچالیا۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے آقا کی روحانی رہبری میرے ساتھ ہے ۔ ان کی رُوحانی تائید ہی کے سہارے چل رہا ہوں۔

حضرات ! میں ایک ان پڑھ اور دیہقانی آدمی ہوں مجھے علمی یا مجلسی آداب معلوم نہیں ۔ میں اُردو میں اس لیے بات کر رہا ہوں کہ میرے آقا کے دوست (جنھوں نے مجھ پر احسان کیا) پنجاب سے تشریف لائے ہیں ان کرم فرماؤں کے لیے مجھے اُردو میں ہی کچھ کہنا ہے ۔

میرے آقا ملک کے بہت بڑے مخلص لیڈر تھے ، ان کی سیاست اپنے صوبہ تک محدود نہیں تھی ان کی سیاست کی ابتدا اردو بولنے والے صوبہ بلوچستان سے ہوئی ۔ ان کو اردو والوں سے محبت تھی ۔ وہ علی گڑھ میں سات سال رہے ان کو وہاں کے اُردو بولنے والے سات ہزار طلباء نے اپنا لیڈر بنایا تھا ۔ پاکستان کی قومی زبان اردو ہے اسی پاکستان کی بقاء و بہبود کے لیے انھوں نے اپنے آخرین ایام گزارے ۔

حضرات ! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرے آقا حضرت امیر الملت نور اللہ مرقدہٗ کے وصال سے ملک کو کتنا نقصان پہنچا ہے لیکن اتنے بڑے ملک کے علاوہ ایک اور چھوٹی سی دنیا بھی ان کے بغیر ویران ہو گئی ہے ۔ وہ چھوٹی سی دُنیا ، یہ وجود ہے ؎

خفت و از خفتن او دیدۂ امیدم خُفت

رفت و از رفتن او حال دلم برہم رفت

مجھ جیسا بے کار انسان کبھی سنبھل کر چلنے جیسا نہیں ہو سکتا تھا ۔ کیونکہ ؎

نہ پوچھ میرا حال، چوبِ خشک ہوں — لگا کے آگ مجھے کارواں رواں ہوا

مجھے اعتراف ہے کہ محترم ذوالفقار علیخان بھٹو نے مجھ پر عظیم احسان کیے ہیں۔ سندھ کے سید جی۔ ایم سید کو (جس کو حضرت صاحب سید اعظم کہتے تھے) انھوں نے یہاں آنے کی اجازت دی۔ سید اعظم نے صبح کی نماز میں ایسی پر اثر دعا مانگی اور مجھے صبر کی تلقین ایسے الفاظوں میں کی جو مرہم کا اثر رکھتے تھے۔ ایسے الفاظ دوسرے مہربانوں نے بھی کہے تھے لیکن ان میں کوئی اثر نہیں تھا۔ سید کے الفاظوں نے میرے زخمی دل کو ٹانکے لگائے سید اعظم کی دعا کے بعد مجھے اپنے آقا و مربی کے روحانی ہمدردوں کا احساس ہوا کہ ؎

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے — بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

پھر میں نے اپنے ذہن میں یہ پروگرام بنا لیا کہ حضرت امین الملت نور اللہ مرقدہ کی یادگاری چیزوں کو ترتیب دینا ہے، ان کے مکتوبات کو چھاپنا ہے اور ان کے مضامین بھی ترتیب دے کر شایع کرنا ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی زندگی کو بھی ان کی یاد میں بسر کرنا ہے۔ آج جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں وہ اسی تلقین کا اثر ہے۔ حضرت صاحب کی سیاسی زندگی سے آپ تمام حضرات واقفیت رکھتے ہیں اس لیے مجھے کوئی وضاحت نہیں کرنی ہے ویسے بھی یہاں پر اور صاحب بھی موجود ہیں جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ وقت کم ہے اور مجھ میں بھی اتنی طاقت نہیں کہ حضرت صاحب کی تمام زندگی کے حالات بیان کر سکوں۔ میں ان کی زندگی کو ان کی چیزوں سے (مثلاً تمام مضامین، اہم خطوط، کتب خانہ اور موجودہ ناز دور میں ان کی جد و جہد کا پورا ریکارڈ) بیت الامانت میں ترتیب دے کر ظاہر کیا ہے۔

وہ سیاست میں امام الانقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کے ترجمان تھے اور طریقت میں درگاہ بھرچونڈی شریف کے معتقد تھے۔ حضرت سندھی بھی بھرچونڈی شریف سے تعلق رکھتے تھے۔ بھرچونڈی شریف سے ہی ایسے مجاہد تیار ہو کر نکلے جن کی وجہ سے انگریزوں کا ہند سے قبضہ کمزور ہو گیا۔ یہ مجاہد حضرت امروٹی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سندھیؒ اور حضرت امین الملت تھے۔ جس طرح بانی بھرچونڈی شریف شیخ اول حضرت حافظ صاحب صاحب استغنا تھے اسی طرح حضرت سندھیؒ پیکر صبر و عمل تھے۔ حضرت امین الملت بھی اسی طرح متوکل تھے۔

حضرت امین الملت نور اللہ مرقدہ فکر عبید اللٰہی کے ذریعہ ملک میں انصاف اور استحکام والی حکومت کے داعی تھے۔ وہ اپنے ابتدائی دورِ سیاست میں سندھ کے اندر ایک ایسی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اسی حکومت نے حضرت امام انقلاب مولانا سندھی کو وطن واپس آنے کی اجازت اور ضمانت دی تھی۔ اس حکومت کے سربراہ اللہ بخش خان کے شہید ہونے کے بعد حضرت امیر تنہا ہوکر گوشہ نشین ہوگئے۔ دوسرے مارشل لاء لگنے پر انھوں نے اپنی بیس سالہ گوشہ نشینی ترک کرکے دارالحکومت پنڈی میں جاکر قیام کیا۔ ان کی فراست نے محسوس کیا کہ ملک میں سخت بحران آنے والا ہے۔ انھوں نے ملٹری حکومت کے ساتھ ہی ساتھ تمام سیاسی لیڈروں کو مشورہ دیا کہ ایک عارضی قومی حکومت بنائی جائے جس میں ملٹری والوں کے علاوہ تمام سیاسی نمائندوں کو بھی شریک کیا جائے۔ جب ملکی حالات بالکل درست ہوجائیں پھر اسی حکومت کے ذریعہ انتخابات کرائے جائیں۔ ان کی اس تجویز کو ذوالفقار علی خان بھٹو نے مان لیا تھا، ملٹری والوں تک یہ بات پہنچنے نہ دی گئی۔ باقی سیاسی صاحبوں نے اس تجویز کو اپنے مفاد اور اپنی جماعتوں کے لیے نقصان دہ سمجھا۔ انتخاب ہوگئے تو انھوں نے ملٹری والوں کو کہہ دیا کہ فوراً اختیارات منتقل کردیئے جائیں۔ بھٹو صاحب کو تو کہہ دیا کہ جاکر یحییٰ خان سے چارج سنبھالو۔ مگر ہوگیا وہ، جو ہونا تھا، یعنی مسلمانوں کی فوج کو شکست دلائی گئی۔ باقی ماندہ ملک میں بھی اندرونی اور بیرونی سخت مسائل پیدا ہوگئے تھے۔ انھوں نے اپنی طرف سے اتنی سخت کوشش کی کہ صحت بگڑ گئی پھر بھی بے پرواہ ہوکر کام کرتے تھے۔

خدا کو یہی منظور ہوگیا کہ جب ایک اللہ والے انسان کی مخلصانہ کوششوں اور مشوروں کو لوگ اپنی ضد سے نہیں سمجھ رہے اور نہیں مان رہے ہیں تو پھر ایسے بندے کو اپنے پاس بلالیا جائے اور یہ بدبخت ان کی برکتوں سے محروم رہ جائیں۔ فکر عبید اللٰہی کا پیامبر اور پیکر اپنے رب کے پاس پہنچ گیا۔ اب ہمیں ایسا کوئی انسان نظر نہیں آرہا جو دینی فکر سے معمور کوئی پروگرام بتا سکے۔

قدرت کے خزانے خالی نہیں۔ دنیا امیدوں کے سہارے چلتی ہے لیکن حضرت امین الملت نور اللہ مرقدہ جیسے انسان کے جانے کے بعد تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ

رفتی و از رفتنِ تو عالمے تاریک شد
تو مگر شمعی چو رفتی بزم برہم ساختی

غلام مصطفیٰ قاسمی نے زاہد پریس حیدرآباد میں چھپوا کر شاہ ولی اللہ اکیڈمی سے شائع کیا۔